معاہدہ یہود علمی نقطۂ نظر سے

جناب شمس العلماء پروفیسر مولانا عبدالرحمٰن صاحب

اکتوبر ۱۹۳۹ء کے برہان میں "متحدہ قومیت اور اسلام" کے عنوان سے میرا ایک مضمون چھپا تھا۔ نومبر کے نمبر میں اس مضمون پر جناب مولوی حفظ الرحمٰن صاحب نے ایک مفصل تنقید فرمائی ہے اور مجھے میری غلطیوں پر متنبہ فرمایا ہے ع روک دو گر غلط چلے کوئی۔ ہر مسلمان کا فرض ہے چہ جائیکہ علماء کا، میں نے اس تنقید و تحمیص کو بغور پڑھا میں جناب مولوی صاحب کی نیت بخیر کا تہ دل سے شکر گذار ہوں لیکن ان کی تنقید میری نظر میں ابھی تحقیق طلب ہے۔ اسی تحقیق کی غرض سے میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں اور کوشش کرونگا کہ جہاں تک ہو سکے باختصار لکھوں کہ ناظرین کے لیے بار خاطر نہ ہو۔

برہان نمبر نومبر۔ خلاصہ صفحہ ۳۷۳۔

جناب مولوی صاحب نے لکھا ہے، یہ روایت (نامۂ مبارک کی جس کو میں نے اسناد منقطع ہونے کی بنا پر ناقابل احتجاج کہا تھا) اسی طرح صحیح و مقبول ہے جس طرح سیرت کی دوسری صحیح و مقبول روایات۔ اس کو ابن کثیر، ابن سلام، اور ابن ہشام جیسے تاریخ، حدیث، اور سیرت کے اکابر علماء نے صحیح مانا اور روایت کیا ہے سہیلی جیسے ناقد نے بھی اس پر کسی قسم کی جرح نہیں کی۔ البتہ اس قسم کی سیرت کی روایات سے وجوب و حرمت کے احکام نہیں بیان کیے جاسکتے حضرت مصنف متحدہ قومیت و اسلام نے بھی اس روایت کو اس غرض کے لیے پیش نہیں کیا ہے، بلکہ شرعی ضرورت کے لیے اسلامی واقعات کی شہادتوں میں سے ایک شہادت کے طور پر پیش کیا ہے۔

میں کہتا ہوں متحدہ قومیت واسلام میں یہ روایت شرعی حکم ہی کے طریق پر بیان ہوئی ہے۔ اسی لیے ہم ختم روایت پر یہ عبارت پاتے ہیں "مذکورہ بالا بیان (اسی روایت) سے واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کا غیر مسلموں سے مل کر ایک قوم بنانا یا بنانا ان کے نفس دین میں خلل انداز ہے اور نہ یہ امر فی نفسہٖ اسلامی قوانین اجتماعیہ کے خلاف ہے" ص ۵۰۔ مطلب یہ کہ مسلمانوں اور نامسلمانوں سے مل کر ایک قوم بنانا یا نہ بنانا میرے نزدیک ایک امر شرعی ہے، اس کے لیے روایت بھی ایسی ہونی چاہیے جس سے حلت وحرمت کے احکام بیان کیے جا سکیں اور کتب سیرت کی روایتیں جب تک کسی اور طریق سے صحیح ثابت نہ ہوں۔ اس قسم کے شرعی معاملات میں قابل احتجاج نہیں، تاہم متحدہ قومیت واسلام میں اس روایت سے احتجاج کیا گیا ہے۔

جناب مولوی صاحب نے فرمایا ہے کہ یہ روایت "متحدہ قومیت اور اسلام" میں بطور شہادت لائی گئی ہے نہ بطور حجت شرعی۔ میں کہتا ہوں کہ مسئلہ زیر بحث کو جناب مولوی صاحب نے بھی ضرورت شرعی مانا ہے۔ اگر یہ روایت شہادت ہے اور ستراد بر حجت ہے تو پھر حجت کہاں ہے۔

صفحہ ۴۷،۳ پر جناب مولوی صاحب فرماتے ہیں۔

"پروفیسر صاحب مصنف رسالہ پر اس لیے بدنیتی کا الزام لگاتے ہیں کہ معاہدہ کی تمام عبارت کو کیوں نقل نہیں کیا اور صرف اپنے مطلب کی دفعات کو کیوں نقل کیا..... کیا پروفیسر صاحب علمی استدلال کے اس طریقہ سے بالکل ناواقف ہیں کہ کسی طویل عبارت میں سے ہمیشہ اُسی قدر عبارت نقل کی جاتی ہے جو دعوے کے ثبوت کے لیے شہادت بہم پہنچاتی ہو..... البتہ باقی ماندہ عبارت میں کوئی مضمون ایسا نہ ہونا چاہیے جو مدعی کی پیش کردہ شہادت کے خلاف ثبوت مہیا کر کے اُس کو مضمحل کرتا ہو اور یہاں بحمداللہ ایسا نہیں ہے"۔

میں کہتا ہوں "ایسا ہی ہے، اور یہی محل کلام ہے محض دعوے کے ثبوت کے لیے صرف

اتنی عبارت کافی تھی " هٰذا کتاب من محمد النبی رسول الله بین المومنین والمسلمین من قریش واهل یثرب ومن تبعهم فلحق بهم فحل معهم وجاهد معهم انهم امة واحدة دون الناس اس عبارت پر اپنے مطلب کی دفعات کا نامۂ مبارک سے چن چن کر اضافہ کیا گیا ہے۔ اگر چھوڑی ہوئی دفعات امور جزئیہ کہلانے کی مستحق ہیں تو جو مذکور ہیں وہ از قبیل کلیہ کیسے ہوگئیں۔ یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ سولہویں دفعہ تک کا انتخاب ہوا اور بیچ کی دفعات نظر سے رہ جائیں، بالخصوص وہ جو اہم تر ہونے کے علاوہ ومن تبعهم فلحق بهم وجاهد معهم کی تفسیر و توضیح بھی کرتی ہوں۔ اس پر بھی جناب مولوی صاحب فرماتے ہیں۔

" بہرحال اس معاہدہ کی عام دفعات کو قطع نظر کر کے صرف ان دفعات کو بیان کرنا جو زیر غور مسئلہ سے متعلق ہیں علمی دیانت کے خلاف نہیں بلکہ علمی طریق استدلال کے لیے بہت موزوں اور مبنی بر صداقت ہے۔

میں کہتا ہوں بہت خوب۔

صفحہ " رہا یہ امر کہ مسلمان مدینہ میں مغلوب تھے تو یہ پروفیسر صاحب کے مطالعہ کے زیر نظر ہو تو ہو ورنہ تمام سیر و تاریخ کی کتابیں اس امر کی شہادت دے رہی ہیں کہ جب حضرت (صلعم) مدینہ تشریف لے آئے اور مہاجرین بھی آگئے تو مدینہ میں مسلمان ہی مسلمان تھے اور باقی شرذمہ قلیل علامہ خضری بک کی تحریر سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے ...... اگر مدینہ میں کفار و مشرکین کا غلبہ ہوتا کہ جس میں یہود بھی شامل ہیں اور جن کا اسلامی حسد مشہور ہے تو وہ ایسے معاہدہ کو کیسے قبول کر لیتے جس میں ان کی مغلوبیت اور مسلمانوں کا غلبہ واضح تھا۔

میں کہتا ہوں، کہ یہ صحیح نہیں کہ میں نے اپنے مضمون میں کہیں بھی یہ لکھا ہے کہ نامۂ مبارک کے لکھے جانے کے وقت مسلمان مدینہ میں مغلوب تھے۔ میں نے تو یہ لکھا ہے " یہ اور اسی قسم کی اور ہدایتیں اور شروط مصلحت کے قالب میں ڈھلی ہوئی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) غیر مذہب والوں کے سامنے ایسے وقت پیش

کرتے ہیں جبکہ مدینہ میں کوئی اعلیٰ قوت آپ کے ساتھ نہیں ہے، ساز و سامان کی الگ کمی ہے اور سامنا قریش جیسے دشمن سے ہے جو شوکت و قوت بھی رکھتا ہے اور ساز و سامان بھی" میری اس عبارت سے جناب مولوی صاحب نے یہ سمجھا ہے کہ میں نے کہا ہے "مسلمان مدینہ میں مغلوب تھے" مولوی صاحب ہی فرمائیں کہ یہ کہاں تک صحیح ہے۔ میری تحریر سے زیادہ سے زیادہ یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ مسلمان اس وقت کمزور تھے۔ سو یہ میری رائے نہیں بلکہ اسی سہیلی نے لکھا ہے، جس کو جناب مولوی صاحب نے بڑا مانا ہے وہ لکھتا ہے۔

"وقال ابوعبید (قاسم بن سلام) فی کتاب الاموال انما کتب رسول اللہ ھٰذا الکتاب قبل ان تفرض الجزیۃ اذا کان الاسلام ضعیفاً۔

(الروض الانف - جلد ۲ ص ۱۷)

میں نے لکھا تھا جونہی آیت قتال نازل ہوئی یہ نامہ منسوخ اور ہمیشہ کے لیے منسوخ ہو گیا۔ اب اس کی سند پر مختلف مذہب والوں سے اُمت واحدہ کے قیام و اثبات پر استدلال کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ (ساتھ ہی اس کے ذیل میں لکھا تھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آیۂ قتال کے نازل ہونے سے پہلے ہی بنو قینقاع، بنو النضیر اور قریظہ کا استیصال فرما چکے تھے) مدعا یہ تھا کہ رسول اللہ نے پہلے خود اپنی قائم کردہ جماعت متحدہ کو (باسباب و وجوہ) توڑا اور اپنی تحریر کو منسوخ ٹھہرایا۔ پھر قرآن نے نازل ہو کر اس نسخ پر مہر دوام ثبت کر دی کہ آئندہ باوجودیکہ کچھ نہ کچھ یہود مدینہ میں موجود رہتے۔ اس نامۂ مبارک کے مطابق اُمت واحدہ کا تیسرا جزو نہ رہے بلکہ مستاجر ذمی ہو کر رہے۔

اس حاشیہ کے بعد میں نے لکھا تھا کہ عام مسلمہ اصول کی بنا پر اُمت واحدہ کے قیام و اثبات کی بحث یہاں ختم ہو جاتی ہے اور ہو جانی چاہیے۔ اس کا مطلب میرے نزدیک یہ تھا کہ نسخ اس نامۂ نبوی کا واقعی اور دائمی ہے۔ اسی لیے جہاں تک ہمیں علم ہے اس ہزار بارہ سو برس میں کسی نے مسلمانوں اور نامسلمانوں سے اُمت واحدہ قائم نہیں کی اور نہ اس کی مشروعیت پر کبھی اس نامہ سے استناد کیا لیکن

میں جانتا تھا کہ نسخ کا مسئلہ نہایت پیچیدہ ہے، مختلف فیہ چلا آتا ہے، ایک بات کو ایک عالم منسوخ کہتا ہے دوسرا انکار کر دیتا ہے۔ اس لیے جس بات کو میں منسوخ کہوں کیسے ممکن ہے کہ دوسرے اُسے آسانی سے مان لیں۔ اسی لیے میں نے لکھا کہ اگر کوئی (جو اس نسخ کو نہ مانے) کہنے لگے اور پھر کہنے والے کے قول کو بھی دو شقوں میں تقسیم کر دیا۔ چنانچہ جناب مولوی صاحب نے نسخ کو نہیں مانا اور ۲۷۷ کے وسط سے ۲۸۲ تک نسخ کی بحث کی ہے۔ اس کی نقل کی یہاں گنجائش نہیں ناظرین دیکھ چکے ہیں اور پھر دیکھ لیں اس کا جواب میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ اگر کوئی نسخ کو نہ مانے نہ مانے، یونہی سہی۔ جو چاہتے ہیں وہ سارا حصر اسی نامہ پر رکھیں اور پھر دیکھیں کہ نامۂ مبارک کی تعلیم کیا ہے؟ .... اور متحدہ قومیت کے داعی و حامی کیا فرماتے ہیں۔ مطلب یہ تھا اور ہے کہ نامۂ مبارک کو منسوخ نہیں مانا جاتا تو پھر مسلمانوں اور نا مسلمانوں سے جو متحدہ قومیت بنائی جاتی ہے وہ نامۂ مبارک کی شروط و قیود کے مطابق تو ہونی چاہیے

(اس سے آگے کی بحث ناظرین اگر چاہیں بُرہان اکتوبر صفحہ ۲۸۹ پر اور اس سے آگے کے صفحات پر پڑھ لیں)

صفحہ ۲۸۲ سے تقریباً ۲۹۳ (بُرہان نمبر نومبر) تک جناب مولوی صاحب نے دو باتیں ثابت کرنی چاہی ہیں، اول یہ کہ بنو قینقاع، بنو النضیر اور قُریظہ کو میرا اسرائیلی یہودی کہنا غلط ہے، وہ اسرائیلی نہیں بلکہ قحطانی عرب تھے۔ دوسرے کہ نامۂ مبارک کے معاہدہ میں یہ تینوں قبیلے بھی شریک تھے اور انہوں نے اس عہد نامہ کو رسول اللہ کے حضور میں منظور کیا تھا۔

امر اول کے متعلق جناب مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ "اگرچہ عام مفسرین کا بیان ہے کہ یہ تینوں قبیلے یثرب کے یہودی النسل تھے، مگر محققین کی رائے اس کے خلاف ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ بجز غیر معروف دو تین خاندانوں کے یثرب کے تمام یہود جن میں خصوصیت کے ساتھ قریظہ، بنو النضیر اور بنو قینقاع بھی شامل ہیں یہودی المذہب تو ہیں مگر یہودی النسل (اسرائیلی) نہیں بلکہ عربی النسل قحطانی ہیں۔ چنانچہ یعقوبی اور مسعودی جیسے مشہور مورخوں نے یہی لکھا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ جناب مولوی صاحب نامبردہ قبائل کو چند مشہور مورخوں کی سند پر عربی النسل قرار دیتے ہیں اور مدینہ میں صرف دو تین غیر معروف خاندانوں کو یہودی النسل یا اسرائیلی بتاتے ہیں مگر قرآن کریم اس کے خلاف خبر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ نمل میں بنی اسرائیل کے بہت سے قصے بیان فرمانے کے بعد کہتا ہے۔ ان ھٰذا القرآن یقص علیٰ بنی اسرائیل (یہ قرآن بنی اسرائیل کو یہ قصے سناتا ہے) یہ اہتمام قرآن کا دو تین غیر معروف اسرائیلی خاندانوں کے لیے نہیں ہو سکتا عقل چاہتی ہے کہ قرآن مجید میں جو یہ اہتمام بنی اسرائیل کے ذکر کا ہے تو مدینہ میں یقیناً ان کا شمار معتنابہ ہوگا اور مدینہ میں اسرائیلی یہود اگر بڑی تعداد میں ہو سکتے تھے تو وہ یہی قینقاع، نضیر اور قریظہ والے تھے اوس وخزرج کا تو قحطانی الاصل ہونا لاکلام مسلم ہے۔ یہ دلیل ایک حد تک قیاسی ہے۔ اب قرآن ہی سے نص لیجیے۔ اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے۔ اور بڑے اہتمام سے فرماتا ہے۔

یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم واوفوا بعھدی اوف بعھدکم و ایای فارھبون .... یٰبنی اسراءیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العٰلمین۔

واذ واعدنا موسیٰ ... اور اے بنی اسرائیل یاد کرو اس وقت کو جب ہم نے تم کو وعدہ کیا۔

واذ واعدنا موسیٰ ... اے بنی اسرائیل یاد کرو اس وقت کو جب ہم نے موسیٰ کو وعدہ کیا

واذ قال موسیٰ لقومہ ... اور اے بنی اسرائیل یاد کرو اس وقت کو جب موسیٰ نے کہا قوم سے اپنی

واذ قلتم یٰموسیٰ ... اور یاد کرو اے بنی اسرائیل وہ وقت جب تم نے کہا اے موسیٰ۔

واذ قلنا ادخلوا ... اور یاد کرو اے بنی اسرائیل وہ وقت جب ہم نے کہا تم داخل ہو

واذ استسقیٰ موسیٰ ... اور یاد کرو اے بنی اسرائیل وہ وقت جب موسیٰ نے پانی مانگا۔

واذ قلتم یٰموسیٰ ... اور یاد کرو اے بنی اسرائیل جب تم نے کہا اے موسیٰ۔

واذاخذ نا میثٰقکم ... اور یاد کرو اے بنی اسرائیل وہ وقت جب ہم نے تم سے عہد لیا۔

واذ قال موسٰی لقومہ ان اللہ ... اور یاد کرو اے بنی اسرائیل اُس وقت کو جبکہ موسٰی نے کہا اپنی قوم سے کہ اللہ تعالیٰ۔

واذ قتلتم نفسًا ... اور یاد کرو اے بنی اسرائیل وہ وقت جبکہ تم نے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا۔

واذاخذ نا میثاق بنی اسراءیل ... اور یاد کرو اے بنی اسرائیل وہ وقت جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا۔

واذ اخذ نا میثٰقکم لا تسفکون	اور یاد کرو اے بنی اسرائیل وہ وقت جب کہ ہم نے تم کو
دماءکم ولا تخرجون انفسکم من	عہد لیا کہ تم خون نہ بہاؤ اور اپنے آدمیوں کو اپنی سرزمین
دیارکم ثم اقررتم وانتم تشھدون	سے نہ نکالو۔ تم نے اس کا اقرار کیا اور تم ہی اسکے گواہ ہو
ثم انتم ھٰؤلاء تقتلون انفسکم	پھر تم ہی لوگ ہو وہ جو اپنے آدمیوں کو قتل کرتے ہیں
وتخرجون فریقًا منکم من دیارھم	اور اپنے آدمیوں کی ایک جماعت کو ان کے گھروں سے
تظٰھرون علیھم بالاثم والعدوان و	نکالتے ہو۔ اس طرح کہ ظلم اور بُرائی سے تم ان کے خلاف
ان یاتوکم اسٰرٰی تفدوھم وھو محرم	ہو جاتے ہو اور پھر اگر وہ قید ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں
علیکم اخراجھم افتؤمنون ببعض	تو تم اُن کا فدیہ دے کر اُن کو چھڑاتے ہو۔ حالانکہ اُن کا
الکتٰب وتکفرون ببعض ۔	نکالنا ہی تم پر حرام تھا۔ کیا تم کتاب کے ایک حصّہ پر ایمان لاتے اور دوسرے سے انکار کرتے ہو۔

تمام مفسرین بلا اختلاف کہتے ہیں کہ یہ آیات جن میں تذکیر الکلام بنی اسرائیل کو ہے بنو قینقاع بنو نضیر اور قریظہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ پھر اسی آذ کے تحت میں اس سے آگے چوتھی آیت ہے۔

ولما جاءھم کتٰب من عند اللہ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف انکی اپنی کتاب

مصدقا لما معھم وکانوا من　　کی تصدیق کرتی ہوئی کتاب (قرآن کریم) آئی۔ اور وہ

قبل یستفتحون علی الذین کفروا　　اس سے پہلے اسی سے کافروں پر غلبہ و کامرانی کی باتیں

فلما جاءھم ما عرفوا، کفروا　　بنایا کرتے تھے۔ جب وہ کتاب آئی جس کو انہوں نے

بہ فلعنۃ اللہ علی الکافرین　　پہچان بھی لیا، تو اس سے منکر ہو بیٹھے۔ ان منکروں پر

یثرب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرآن کی دعوت پہنچنے سے پہلے مشرک اوس وخزرج آباد تھے یا یہودی، اوس وخزرج میں بھی یہودی تھے لیکن کم کم، ان آیات میں جن کا سرعنوان ہم لکھتے چلے آئے ہیں خطاب ہے تو بنی اسرائیل کو، تذکیر ہے تو بنی اسرائیل کو۔ انہی کی بابت قرآن مجید بصراحت خبر دیتا ہے کہ وہ کافروں کے خلاف فتح الباب غلبہ وکامیابی کی اُمیدیں لگایا کرتے تھے۔ ان کے نزدیک اوس وخزرج، اس لیے کہ مشرک تھے بت پرستی کرتے تھے، کافر تھے، اس لیے یہاں اپنی فتح اپنی کامیابی کی اُمید کرنے اپنے غلبہ کی توقع رکھنے والے صرف یہی تینوں قبیلے یہود کے ہو سکتے تھے اور وہ بنص قرآن بنی اسرائیل ہیں۔ اوس وخزرج کے یہودی بربنائے مذہب اس استفتاح میں شریک بھی تھے تو تبعاً۔ یہ نص ہے۔ حجت ہے برہان ہے اس بات پر کہ بنوقینقاع، بنوالنضیر اور قریظہ بنی اسرائیل تھے، اس پر مستزاد ہے یہ شہادت کہ جمہور مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت انہی نامبردہ قبائل کے حق میں نازل ہوئی۔

بنی اسرائیل کی خصوصی تذکیر انہی آیات پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اور آگے تک چلی گئی ہے اور ان کو ان کے اسلاف کے واقعات اور ان کے حال پر بار بار اور طرح طرح سے اللہ تعالیٰ اپنے بڑے بڑے انعامات یاد دلاتا ہے اور مرۃً بعد اُخری انہیں ایمان و اسلام کی دعوت دیتا ہے، کیا یہ اہتمام دو تین غیر معروف اسرائیلی خاندانوں کے لیے ہے۔

مختصر یہ کہ میں بدلالت نص قرآن اور بشہادت جمہور مفسرین بنوقینقاع، بنوالنضیر اور قریظہ کو اسرائیلی یہودی سمجھتا ہوں۔ جناب مولوی صاحب کو اختیار ہے کہ یعقوبی اور مسعودی جیسے مشہور مورخین کی تحقیق کو

مانیں یا اس نص قرآنی اور جمہور مفسرین کے متفقہ بیان کو۔

اب رہا جناب مولوی صاحب کا یہ فرمانا کہ "یثرب کے یہ تینوں قبیلے (بنو قینقاع، بنو النضیر، اور قریظہ) بھی زیر بحث نامہ ہی کی رو سے عہد نبوی میں داخل تھے اور دلیل اس دعوے کی یہ پیش کرنا کہ ابن کثیر، ابن اثیر، سہیلی (رحمہم اللہ) اور علامہ شبلی مرحوم نے بھی اپنی تاریخوں اور سیرت کی کتابوں میں یہی لکھا ہے"

اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ یہ باتیں کم و بیش مجھے بھی معلوم ہیں۔ یہی کیا بلکہ اور بھی بہت سے اکابر نے کچھ ایسے ہی الفاظ لکھے ہیں، خواہ یہ نامہ اپنے یہاں نقل کیا ہے یا نہیں۔ میں بھی یہ نہیں کہتا کہ قبائل مزبورہ رسول اللہ کے معاہد نہ تھے مگر تحقیق طلب امر یہ ہے کہ یہ قبائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہد تھے تو کس طرح اور کس حیثیت سے مجھے کوئی عہد نامہ (جہاں تک میری نظر ہے) تاریخ و سیر کی کتابوں میں ایسا نہیں ملا جس کو میں کہہ سکوں کہ رسول اللہ اور قبائل مزبور کا عہد نامہ ہے۔ اس لیے اب میرے نزدیک ان قبائل کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہونا، تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت پر ہوگا۔

اول یہ کہ رسول اللہ جب یثرب تشریف لائے تو یہ قبائل پہلے سے الگ الگ اوس و خزرج کے حلیف تھے۔ جب اوس و خزرج بالاتفاق بواسطہ نقبائے قوم رسول اللہ کے حلیف بنے تو دستور کے موافق ان کے حلیف یعنی یہ قبائل بھی آپ کے حلف میں داخل ہو گئے۔ کیونکہ معاہد کا معاہد بھی معاہد ہوتا ہے۔ اس لیے ان قبائل سے کوئی جداگانہ معاہدہ نہیں کیا گیا۔ میرے اذعان میں یہی بات صحیح ہے۔[1]

غزوۂ ابوا (بروایتے بواط) میں بنی ضمرہ کے کچھ لوگ بسیادت مخشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہد بنے۔[2] پھر غزوۃ العشیرۃ میں بنو مدلج اور ان کے حلفا بنو ضمرہ سے معاہدہ ہوا۔[3] بنو ضمرہ سے جو معاہدہ ہوا وہ موجود ہے لیکن بنو مدلج کا اس میں کہیں کچھ ذکر نہیں ہے اور جداگانہ معاہدہ بنو مدلج کا کہیں نہیں ملتا۔ اگر

[1] دیکھیے برہان اکتوبر نمبر صفحہ ۲۹۶۔ اس کے ذیل میں میں نے لکھا ہے۔ وہ (اسرائیلی قبائل) حلیف تھے مگر اس حیثیت سے کہ وہ اوس خزرج کے حلیف تھے نہ اس حیثیت سے کہ اس نامہ کے ماتحت تھے۔

[2] غزوہ ودان سیرت ابن ہشام [3] غزوۃ العشیرہ۔ الروض الانف و سیرت ابن ہشام۔

دیکھا نہیں گیا اور لکھا بھی نہیں گیا تو ظاہر ہے کہ بنوضمرہ کا معاہدہ ان کے لیے بھی کافی سمجھ لیا گیا کہ معاہد کا معاہد معاہد ہوتا تھا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مذکورالصدر یہود قبائل میں کوئی عہدنامہ تو ہوا جو زیربحث نامۂ نبوی کے علاوہ تھا لیکن اب وہ نہیں پایا جاتا، ضائع ہو گیا یا، تاریخ وسیرت کی کتابوں میں کسی وجہ سے نہ لیا جا سکا۔ بات یہ بھی ممکن اور قرین قیاس ہے اور مجھے اس سے بھی انکار نہیں۔ تاریخ ہو یا سیرت کسی کی زندگی کے سارے واقعات ان میں کہاں آتے ہیں۔ اس لیے معاہدہ کا نہ پایا جانا اس کے عدم وقوع کو مستلزم نہیں ہو سکتا۔ غزوۃ العشیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مدلج اور بنی ضمرہ دونوں سے عہد وپیمان کیا۔ جو معاہدہ بنی ضمرہ سے ہوا وہ کتابوں میں بالفاظہا موجود ہے۔ اور بنی مدلج کا نہیں ملتا۔ حالانکہ ممکن ہے کہ ان کے لیے بھی جداگانہ معاہدہ لکھا گیا ہو۔ شواہد بھی اس کے موجود ہیں۔

واقدی نے لکھا ہے (لما قتل کعب بن اشرف) "فزعت یہود ومن معہا من المشرکین فجاؤا الی النبی (صلعم) حین اصبحوا فقالوا قد طرق صاحبنا اللیلۃ وھو سید من ساداتنا۔ قتل غیلۃ بلاجرم وحدث علمناہ فقال رسول اللہ (صلعم) انہ لو قر کما قر غیرہ ممن ھو علی مثل رایہ ما اغتیل ولکنہ نال منا الاذی وھجانا بالشعر ولم یفعل ھذا احد منکم الا کان لہ السیف ودعاھم رسول اللہ (صلعم) الی ان یکتب کتابا ینتھون الی ما فیہ فکتبوا بینھم وبینہ کتابا تحت العذق فی دار رملۃ بنت الحارث۔ اس بیان میں یہود کی جس تحریر یا عہد وپیمان کا ذکر آیا ہے وہ اب کہیں نہیں ملتی۔

نیز واقدی ہی نے غزوہ بنی قینقاع کے بیان میں لکھا ہے "لما قدم رسول اللہ (صلعم) المدینۃ وادعتہ یہود کلھا وکتب بینہ وبینھا کتابا والحق رسول اللہ (صلعم) کل قوم بحلفائھم و جعل بینہ وبینھم امانا وشرط علیھم فکان فیما شرط ان لا یظاھروا علیہ عدوا یعنی جب رسول اللہ

مدینہ میں تشریف لائے تو سارے یہود نے آپ سے موادعت چاہی۔ اور آپ نے اپنے اور ان کے باب میں ایک تحریر (معاہدہ) لکھوائی اور ہر قوم کو اس کے حلفا کے ساتھ ملایا (شامل ٹھہرایا) اور اپنے اور ان کے درمیان امن رکھا۔ کچھ شرطیں بھی ان پر عائد کیں جن میں سے ایک یہ بھی کہ وہ آپ کے خلاف کسی دشمن کی مدد نہیں کرینگے" میرے نزدیک یہ عہدنامہ بھی تاریخوں میں مذکور نہیں۔ غرض کسی چیز کا ہمیں نہ ملنا اس کے واقعی نہ ہونے کے دلیل نہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ رسول اللہ اور تمام یہود مدینہ کا باہم کوئی عہدنامہ ہوا ہو جو اب نہیں ملتا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ نامۂ زیر بحث ہی وہ عہدنامہ ہے جو رسول اللہ نے لکھوایا جس میں اوس خزرج کے علاوہ مدینہ کے تمام یہود داخل تھے، خواہ وہ اسرائیلی تھے یا غیر اسرائیلی۔ جناب مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فلاں فلاں نے بھی یہی لکھا ہے۔ یہ بالکل بجا و درست ہے ان لوگوں نے لکھا ہے لیکن میں ان حضرات کی شہادت کی صحت کو نہیں مانتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ زیر بحث نامۂ مبارک میں مجھے کوئی اندرونی شہادت ایسی نہیں ملتی جو محولہ بالا بیرونی شہادت کی تصدیق کرتی ہو یعنی اس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ نامۂ زیر بحث وہ عہدنامہ ہے جو رسول اللہ نے مدینہ کے تمام یہود سے کیا تھا اور اس میں اسرائیلی وغیر اسرائیلی یہود دونوں داخل تھے، اور جب تک یہ بیرونی شہادتیں اندرونی شہادت سے مطابق نہ ہوں میں محض اس بیرونی شہادت کو ماننے کے لیے تیار نہیں خواہ ان کا کتنا ہی انبار کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ ان بیرونی شہادتوں کے الفاظ میں، الفاظ کے مفہوم میں، مفہوم کے نتائج میں کھلا کھلا اختلاف موجود ہے۔

ابن ہشام نے اس نامہ کے عنوان میں بروایت ابن اسحاق لکھا ہے اور نسبتۃً اچھا لکھا ہے۔

کتب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کتابا بین المھاجرین والانصار	رسول اللہ نے ایک تحریر مہاجرین وانصار کے باب میں لکھوائی جس میں یہود سے عہد و

وادع فیہ یہود وعاھدھم	پیمان فرمایا۔

مگر سیرت ابن ہشام کے شارح علامہ سہیلی الروض الانف میں اسی عنوان یا اس کے مفہوم کو یوں ادا فرماتے ہیں۔

کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما بینہ وبین الیہود،	رسول اللہ کا وہ نامہ جو آپ نے اپنے اور یہود کے مابین لکھوایا۔

کہاں بین المہاجرین والانصار اور کہاں بینہ وبین الیہود اس میں نامۂ مبارک کے الفاظ ہی نہیں چھوٹے بلکہ تحریر کی نوعیت ہی بدل گئی ہے۔ ابن اسحٰق کی روایت میں یہود کی موادعت تبعًا ظاہر ہوتی ہے۔ سہیلی کے الفاظ میں وہ اصل فریق بنجاتے ہیں، اور براہِ راست ان سے اور رسول اللہ سے معاہدہ کا ہونا مفہوم ہوتا ہے۔ اب ابن اثیر کو دیکھیے فرماتے ہیں۔

فصل۔ فی عقدہ علیہ السلام	رسول اللہ کا مہاجرین وانصار میں ایک تحریر کے
الالفۃ بین المہاجرین والانصار	ذریعہ (جسکی بابت آپنے حکم دیا اور وہ لکھی گئی) باہم
بالکتاب الذی امر بہ فکتب	الفت اور وہ بھائی چارہ قائم کرنا جس کے لیے
والمواخاۃ التی امرھم بھا و	آپ نے ارشاد فرمایا اور مسلمانوں پر لازمی ٹھہرایا تھا
قررھم علیہا وموادعتہ الیہود	اور آپ کا اُن یہود سے جو مدینہ میں تھے باہم عہد
والذین کانوا بالمدینۃ	وپیمان کرنا۔

دہی نامہ ہے اور اسی کا عنوان اور اسی میں مہاجرین وانصار کی مواخات بھی آکر داخل ہو گئی ہے جس کے لیے رسول اللہ کا کوئی تحریر لکھوانا ثابت نہیں ہے اور پھر طرفہ یہ ہے کہ اس عنوان کے بعد ہی ذکر یہود کا شروع ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ جناب مولوی صاحب نے لکھا ہے۔

علامہ شبلی مرحوم نے لکھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ کا پہلا کام

یہ تھا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں۔ آپ نے یہود و انصار کو بلا کر حسب ذیل شرائط پر ایک عہد نامہ لکھوایا جس کو دونوں فریق نے منظور کیا۔

اس بیان میں پہلا جملہ (تا، منضبط ہو جائیں) خود علامہ کی رائے معلوم ہوتی ہے۔ اور ایک حد تک صحیح ہے، آگے جو کچھ لکھا ہے وہ بیان واقعہ ہے۔ اس کی کوئی سند ہونی چاہیے تھی، جو غائب ہے۔ ابن ہشام نے تو یہ نہیں لکھا کہ آنحضرت نے یہود و انصار کو بلایا اور ایک عہد نامہ لکھوایا جس کو دونوں نے منظور کیا۔ اس واقعہ کی سند علامہ مرحوم کو لکھنی چاہیے تھی۔ اور جناب مولوی صاحب کو بھی۔ جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ یہ کس نے لکھا ہے، کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس کا لکھا کہاں تک حجۃ ہے۔

نامۂ نبوی کے متعلق مذکورۂ بالا بیانات میں جو جناب مولوی صاحب ہی کی تحریر سے ماخوذ ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ باہم کس قدر اختلاف ہے[1]۔ اسی اختلاف کی وجہ سے ضروری ہے کہ ہم نامۂ مبارک کی اندرونی شہادت کو دیکھیں اور اُس کے متعلق جو کچھ کہیں اسی کی شہادت کی بنا پر کہیں کہ وہ بہرحال مقدم ہو۔

اس اندرونی شہادت سے جناب مولوی صاحب نے بھی چشم پوشی نہیں کی ہے۔ چنانچہ وہ اس کے متعلق فرماتے ہیں

"یہ بات البتہ قابلِ غور ہے کہ آخر جس طرح اس معاہدہ میں قبائل انصار کے یہودیوں کا قبائل وار ذکر ہوا ہے ان تینوں (بنو قینقاع، بنو النضیر اور قریظہ) کا ذکر کیوں نہیں ہوا۔ سو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اس کی وجہ صاف ہے جو معمولی غور کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے

---

[1] اسی اختلاف میں واقدی کے اس بیان کو بھی شامل کر لینا مناسب ہے جو اُس نے غزوۂ بنو قینقاع کے ذیل میں لکھا ہے، اور ہم کہیں پیچھے لکھ آئے ہیں یہ اس لیے کہ ممکن ہے کہ کوئی کہنے لگے کہ واقدی نے جو کچھ لکھا ہے نامۂ زیر بحث ہی کے متعلق لکھا ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ اس میں کل یہود کا لفظ آیا ہے۔ اگرچہ ہماری رائے اس کے خلاف ہو۔ تاہم اگر کوئی اس بیان کو نامۂ زیر بحث ہی سے متعلق ہونے پر اصرار کرے تو ہمیں انکار کی ضرورت نہیں۔ ہم کہیں گے اچھا یوں ہی سہی۔ یہ اختلاف فہم و اختلاف بیان کا ایک نمونہ اور سہی۔

وہ یہ ہے کہ جس اسلامی مصلحت کی خاطر یہ معاہدہ کیا گیا اور جس کی طرف علامہ شبلی نے بھی سیرۃ النبی میں اشارہ کیا ہے۔ اس کے لحاظ سے معاہدہ کا حقیقی رخ انہی تینوں قبائل (بنو قینقاع بنو نضیر اور قریظہ) کی جانب ہے جو یثرب میں یہودیت کے امام اور عرب میں نمایاں شہرت کے مالک تھے۔ اور یہودیت کی مخالفانہ قوت کی باگ ڈور انہی کے ہاتھ میں تھی۔ لہذا معاہدہ میں وانہ من تبعنا من یھود فان لہ النصر۔ وان الیھود ینفقون مع المؤمنین ما داموا محاربین جیسے عام جملے کہے گئے کیونکہ ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا تھا کہ اس سے وہی یہودی مراد ہیں جو یہودیت کے پیش رو ہیں۔ البتہ جبکہ کچھ یہودی ایسے بھی تھے جو ان کی قربت کی وجہ سے انصار کے قبائل میں سے یہودی المذہب ہو گئے تھے۔ تو خیال ہو سکتا تھا کہ شاید اس معاہدہ کا رخ ان یہودیوں کی جانب قطعی نہیں ہے بلکہ انصار کے ہم قبیلہ اور حلیف ہونے کی وجہ سے ضمناً وہ خود بخود شریک ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا بلکہ اس کے برعکس آپ کو یہ واضح کرنا تھا کہ اوس و خزرج کے مختلف بطون کے یہ یہود بھی اسی طرح معاہدہ میں براہ راست شامل ہیں جس طرح مشہور یہودی قبائل لہذا مناسب سمجھا گیا کہ معاہدہ میں قبیلہ کی حیثیت کا لحاظ نہ کیا جائے بلکہ یہودیت کا لحاظ پیش نظر رکھا جائے۔ اسی لیے ان تینوں قبائل کی تفصیل کی گئی اور اولی مراد ہیں یہ تینوں قبائل فقط لفظ یہود کے عموم میں رکھ گئے اور بیان کردہ شبہ کو دور کرنے کے لیے انصاری قبائل کے یہودی قبائل وار تفصیل دی گئی تاکہ جب معاہدہ میں انصار کا لفظ آئے تو اس سے فقط یثربی مسلمان مراد ہوں کیونکہ یہ اصطلاح انہی کے حق میں اسلام نے رائج کی اور جب ان کے قبائل میں سے یہود کا ذکر آئے تو قبائل کی تفصیل کے ساتھ آئے۔ اس کا زبردست قرینہ یہ بھی ہے کہ معاہدہ میں مہاجرین کے قبائل کی تفصیل بجز قریش کے ذکر کے نہیں ہے لیکن انصار کے قبائل کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔"

میں کہتا ہوں۔ اس منقول یا منقول عنہ عبارت میں یہ جملہ ہے "اسی لیے ان تینوں کی تفصیل کی گئی۔

میں نے اس جملہ پر خط کھینچ دیا ہے میں سمجھتا ہوں "تفصیل نہ کی گئی" کی جگہ "تفصیل کی گئی" غلط چھپ گیا ہے۔ اگر یہ غلط نہیں چھپا تو پھر میں اسی سلسلہ کی عبارت کو قطعاً نہیں سمجھ سکا ہوں۔ نیز جناب مولوی صاحب لکھتے ہیں "بیان کردہ شبہ کو دور کرنے کے لیے انصاری قبائل کے یہود کی قبائل وار تفصیل دی گئی ہے تاکہ جب معاہدہ میں انصار کا لفظ آئے تو اس سے صرف یثربی مسلمان مراد ہوں" نامۂ مبارک (جو میں نے نقل کیا ہے اور جسے معاہدہ کہا جا رہا ہے) میں تو انصار کا لفظ ہی نہیں آیا ہے پھر میں اس توجیہ یا تعلیل یا دلیل کو اگر نہ سمجھا تو معذور ہوں۔

میں یہ بات بھی معقول نہیں سمجھتا کہ جس کی طرف معاہدہ کا حقیقی رخ ہو اور جو جماعت کے امام، نمایاں شہرت کے مالک ہوں اور لوگوں کی زمام اختیار ان کے ہاتھ میں ہو معاہدہ میں ان کا نام نہ لیا جائے اور کسی عام طریقہ پر ان کا ذکر کر دیا جائے اور جو متبوع و ماموم ہوں وہ بصراحت قبائل وار بیان کیے جائیں۔ اس لیے کہ میں نے معاہدات میں رؤس کو بصراحت مذکور پایا ہے اور اذناب و توابع کو متروک۔ اگر جناب مولوی صاحب اپنے دعوے کی کوئی مثال بھی لکھ دیتے تو اچھا ہوتا۔

یہ حجت بھی میرے فہم سے بالاتر ہے۔ ممکن ہے ناظرین سمجھ سکیں "کہ جبکہ کچھ ایسے یہودی بھی تھے جو ان کی قربت کی وجہ سے انصار کے قبائل میں سے یہودی المذہب ہو گئے تھے تو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ شاید اس معاہدہ کا رخ ان یہودیوں کی طرف قطعی نہیں ہے، بلکہ انصار کے ہم قبیلہ اور حلیف ہونے کی وجہ سے ضمناً وہ خود بخود شریک ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ بلکہ اس کے برعکس آپ کو یہ واضح کرنا تھا کہ اوس و خزرج کے مختلف بطون کے یہ یہودی بھی اسی طرح معاہدہ میں براہ راست شامل ہیں جس طرح مشہور یہودی قبائل لہذا مناسب سمجھا گیا کہ معاہدہ میں قبیلہ کی حیثیت کا لحاظ نہ کیا جائے بلکہ یہودیت کا لحاظ رکھا جائے۔

میں کہتا ہوں اس حالت میں ان کو بھی اشارۃً یہود کہہ دینا کافی تھا، دونوں کی معاہدہ میں یکساں شمولیت بھی اسی کی مقتضی تھی یا دونوں کا ذکر قبیلہ وار ہونا چاہیے۔ کیا یہ بات عجیب و غریب نہیں کہ معاہدہ

میں بقول جناب مولوی صاحب دونوں براہ راست ایک طرح شریک ہیں مگر ذکر ایک کا قبیلہ وار ہوتا ہے اور دوسرے کا بغیر قبیلوں کے نام کے صرف عام جملہ سے۔ آخر اس اسلوب خاص کی ضرورت کیا تھی عنوان نامۂ مبارک میں یا یہود کے ذکر کے آغاز میں کیا (یہود یثرب لکھا) کافی نہ تھا، یا جہاں ایک جماعت کے سات آٹھ نام لیے گئے تھے، تین اور کا اضافہ ممکن نہ تھا۔

جناب مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ ومن تبعنا من یھود فان لہ النصر والاسوۃ۔ وان الیھود ینفقون مع المومنین ما داموا محاربین۔ جیسے عام جملوں سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا تھا کہ اس سے وہی یہود مراد ہیں جو یہودیت کے پیش رو ہیں۔

میں کہتا ہوں آخر یہ کیوں اور کیسے؟ کیا ومن تبعنا من الیھود کے تحت میں صرف وہی آسکتے تھے کیا اتباع کرنے والے وہی تھے۔ یا اس جملہ سے پہلے نامۂ مبارک میں ان کا کہیں ذکر آچکا تھا۔ یا کہیں اس نامہ میں ان کے اعترافِ اتباع کا بیان موجود ہے؟

اگر کہیے کہ یہودیت کے امام وہی تھے، اور معاہدہ کا رُخ انہی کی جانب تھا۔ میں دریافت کرونگا کہ نامہ مبارک میں کونسا لفظ اور کونسا فقرہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ نامۂ مبارک سے کوئی شہادت پیش کیجیے اس کے علاوہ معاہدہ کا رُخ انہی کی جانب تھا، تو اس صورت میں تو بدرجہ اولی بصراحت تمام ان قبائل یا سرداران قبائل کا نام معاہدہ میں ہونا چاہیے تھا۔ جیسا کہ تمام معاہدوں میں ہوتا ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ نامۂ نامی میں سب سے پہلے آنا چاہیے تھا کہ یہی عام قاعدہ ہے اور رہا ہے۔ مگر یہاں نہ ان کے نام کا کہیں پتہ ہے نہ ان کو اولیت دی گئی ہے۔ بلکہ پہلے قریش و یثرب کے مومنوں مسلمانوں کا ذکر آتا ہے۔ یہ معاہدہ کا رُخ ان کی طرف خوب ہے کہ نہ عنوان میں کہیں اُن کا پتہ ہے اور نہ کہیں آگے چل کر۔ (قریش اور یثرب کے مومنوں مسلمانوں کے ذکر کے بعد) سب سے پہلے جو جملہ ان کے لیے آتا ہے، وہ یہ کہ ومن تبعنا من الیھود فان لہ النصر والا جس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ جو یہودی اسرائیلی ہو یا غیر اسرائیلی ہمارا تابع ہے یا آئندہ اتباع کریگا۔ ہم اس کی مدد کرینگے۔

یہ زیادہ سے زیادہ معاہدہ کی ایک شرط ہے۔ یا اتباع کرنے والوں سے ایک وعدہ ہے[1] اور بس اس میں نہ کہیں مذکور ہے نہ کسی طرح مفہوم ہو سکتا ہے کہ معاہدہ کا رُخ بنوقینقاع بنوالنضیر اور قریظہ کی طرف ہے، نامۂ مبارک کے عنوان میں قریش و یثرب کے مومنوں مسلمانوں کے علاوہ جن لوگوں کا مذکور ہے وہ باسم لقب نہیں بلکہ بصفات عدیدہ ہے یعنی ومن تبعهم فلحق بهم وجاهد معهم جس میں یہ صفات ہوں وہ رسول اللہ کے اس نامہ کے تحت میں ہے، خواہ یہودی ہو یا مشرک۔ چنانچہ نامۂ مبارک کی ہماری تقسیم کے موافق گیارہویں دفعہ ہے۔ وانه لا يجير مشرك مالا لقريش ولا نفسا ولا يحول دونه على مومن۔ یہودی کے لیے بھی کوئی قید نہیں ہے خواہ وہ اسرائیلی ہو یا غیر اسرائیلی۔ قید یہ ہے کہ جب یہ نامہ لکھا گیا، وہ مسلمانوں کا تابع تھا یا نہیں۔ ان میں شامل تھا یا نہیں جہاد کا معاملہ وقت کے لیے تھا۔ اوس و خزرج کے یہود چونکہ مسلمانان یثرب کے تابع تھے اور باستثنائے مذہب اور ہر طرح ان کے شریک حال تھے۔ ممکن ہے اس کے علاوہ بھی کوئی اور مصلحت و حکمت ہو جس کی بنا پر رسول اللہ نے اس نامہ میں ان کو مسلمانوں کے ساتھ ذکر کیا بلکہ امة من المومنين کہا یا امة مع المومنين۔ برخلاف اس کے بنوقینقاع، بنوالنضیر اور قریظہ میں یہ صفات نہ تھیں ان کا نام بھی نامۂ مبارک میں نہیں آیا تاہم دروازہ معاہدہ کا ان کے لیے کھلا ہوا تھا۔[2] مسلمانوں کے شریک حال ہوں اور اُمتہ واحدہ کے ممبر بن جائیں۔ مگر یہ کہ وہ یہودانِ اوس و خزرج کی طرح اس عہدنامہ میں وقتِ تحریر داخل تھے یہ کسی طرح صحیح نہیں۔ عہدنامہ کے وقت وہ مسلمانوں کے شامل حال ہوتے تو اُن کے نام اجمالاً یا تفصیلاً اسی طرح لیے جاتے جیسے اوس اور بطون خزرج کے لیے گئے ہیں۔ یہ دعویٰ کہ ان کے نام اس لیے نہیں لکھے گئے کہ معاہدہ کا رُخ ہی اُن کی طرف تھا۔ میرے نزدیک ایسی بات اور ایسی توجیہ ہے جس کو میں نہیں مان سکتا۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ عہدناموں کا ہمیشہ دستور رہا ہے اور اب تک ہے کہ جس سے معاہدہ ہوتا ہے وہ

---

[1] میرے نزدیک اس فقرہ میں صرف مسلمانوں کا ایک فریضہ بتایا گیا ہے جو مسلمانوں کے واجبات کے سلسلہ میں آیا ہے۔ یہود کا حال مستقلاً سولہویں دفعہ سے شروع ہوتا ہے۔

[2] چنانچہ کعب القرظی کا نام بحیثیت معاہد رسول اللہ اکثر جگہ آیا ہے۔

ایک آدمی ہو یا ایک جماعت، کئی آدمی ہوں یا کئی جماعتیں لازمی طور پر ان کا یا اُن کے سرداروں یا وکلا کا نام لکھا جاتا ہے، اور لکھا جا رہا ہے۔

جس زمانہ میں نامۂ زیر بحث لکھا گیا اسی کے کچھ آگے پیچھے رسول اللہ اور بنی ضمرہ میں معاہدہ ہوا۔ اگرچہ بنی ضمرہ کو وہ شوکت و عظمت حاصل نہ تھی جو بنوقینقاع، بنوالنضیر اور قریظہ کو، تاہم عہدنامہ نبوی میں بنی ضمرہ کا نام موجود ہے

ھذا کتاب من محمد رسول اللہ لبنی ضمرۃ فانھم آمنون علی اموالھم وانفسھم وان لھم النصر علی من رامھم الا ان یحاربوا فی دین اللہ ما بل بحر صوفۃ وان النبی اذا دعاھم لنصرہ اجابوہ۔ علیھم بذلک ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ ولھم النصر علی من برّ واتقیٰ۔

یہ چھوٹا سا عہدنامہ یہاں نمونہ کے طور پر نقل کر دیا ہے باقی تمام عہدنامے بھی رسول اللہ کے بلکہ خلافت راشدہ کے زمانہ کے بھی سب تقریباً اسی انداز پر ملیں گے اگر یہود بنی اسرائیل یعنی بنوقینقاع، بنوالنضیر اور قریظہ سے یہ معاہدہ ہوا ہوتا یا وہ اس میں داخل ہوتے تو ان کے قبائل یا اُن کے سرداروں کے نام نامۂ مبارک میں مذکور ہوتے۔ جب یہ بات نہیں، ہم کیسے مان لیں (خواہ کہنے والا کوئی ہو) کہ یہی نامہ ہے جس میں مدینہ کے تمام یہود سے معاہدہ ہوا، اور اس معاہدہ کا رُخ براہ راست بنوقینقاع، بنوالنضیر اور قریظہ کی جانب تھا اور ہے۔

مانا سیرت و تاریخ کی کتابوں میں کوئی عہدنامہ رسول اللہ کا۔ ایسا نہیں ملتا جو خود اس بات کا ثبوت ہو کہ وہ ضرور رسول اللہ اور یہود کا معاہدہ ہے مگر اُس کے نہ ملنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ لکھا ہی نہیں گیا یا یہود بنی اسرائیل آپ کے کسی طرح معاہد ہی تھے۔ نہ یہ لازم آتا ہے کہ جب ایسا کوئی معاہدہ نہیں ملتا تو خواہی نہ خواہی یہ ماننا ہی چاہیے کہ نامۂ زیر بحث ہی رسول اللہ اور یہود کا وہ عہدنامہ ہے جس کی نسبت اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ نے یثرب میں تشریف لاتے ہی یا تشریف لانے کے قریب ترین زمانہ میں لکھوایا تھا۔ کیونکہ نامۂ نامی خود اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ وہ حضور کے یثرب میں تشریف لاتے ہی نہیں لکھا گیا، جیسے کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور خود اسی کی شہادت ہے۔ (باقی آئندہ)

لے خزاعہ کو جو مکتوب یا عہدنامہ رسول اللہ نے لکھا اس میں ہے۔ من محمد رسول اللہ الی بدیل وبسر وسروات بنی عمرو۔